اول جہل ہوتا ہے پھر علم، پھر اس پر عمل اور عمل میں اخلاص۔ (حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ)

تقریظ، تنقید اور تبصرہ نگاری پر ایک نظر

(تیسری اور آخری قسط)

مولانا محمد جمیل احمد
متخصصِ علومِ حدیث، جامعہ

تقریظ سے متعلق ایک فنی سوال اور اس کا جواب

تقدیمِ کتاب کی جگہ مبدأ کتاب ہے اور اس کی بنیادی وجہ اس کا معنوی تقاضا ہے، چنانچہ اسلامی علوم وفنون سے متعلقہ تمام مشہور کتب میں ہمیں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس میں مقدمۂ کتاب کو مؤخر کیا گیا ہو، ہاں! ایسا ضرور ہوا ہے کہ بعض اوقات مقدمۂ کتاب کو اپنی علمی افادیت اور شان کی وجہ سے اصل کتاب سے علیحدہ کردیا گیا، جس کے نتیجے میں وہ مستقل کتاب کی حیثیت اختیار کرگیا، مثلاً ’’مقدمة ابن خلدون ‘‘للعلامۃ ابن خلدون (۸۰۸ھ)، ’’الهدي الساري مقدمة فتح الباري ‘‘ للحافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ)، ’’مقدمة شرح الجامي ‘‘لعبدالرحمٰن الجامیؒ (۸۹۸ھ)، ’’مقدمة رد المحتار المعروف ’’المقدمة الشامية ‘‘لابن عابدین الشامیؒ (۱۲۵۲ھ)، ’’مقدمة بذل المجهود ‘‘للعلامۃ خلیل احمد السہارنفوریؒ (۱۳۴۶ھ)، ’’مقدمة تحفة الأحوذي ‘‘للعلامۃ عبدالرحمٰن المبارکپوریؒ (۱۳۵۳ھ)، ’’مقدمة فتح الملهم المعروف بمبادئ في علوم الحديث ‘‘للعلامۃ شبیر احمد العثمانيؒ (۱۳۶۹ھ)، ’’إنهاء السَكَن مقدمة إعلاء السنن المعروف بقواعد في علوم الحديث ‘‘للشیخ ظفر احمد العثمانيؒ (۱۳۹۴ھ)، ’’عوارف المنن مقدمة معارف السنن ‘‘للعلامۃ یوسف البنوريؒ (۱۳۹۷ھ) وغیرہ شامل ہیں۔

لیکن تقریظِ کتاب سے متعلق یہ فنی سوال بہرحال پیدا ہوتا ہے کہ تقریظ کو مبدأ کتاب سے ہٹاکر کیا کتاب کے آخر میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تقریظِ کتاب کو عموماً مبدأ کتب میں ذکر کیا جاتا ہے، متقدمین ومتاخرین کے ہاں یہ طرزِ عمل شائع وذائع ہے، البتہ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریظ کو کبھی

خاتمۃ الکتاب کے آس پاس بھی لگایا جاسکتا ہے، ذیل میں اس سے متعلق چند شواہد پیشِ خدمت ہیں:

۱:-''فتح البر بشرح بلوغ الوطر من مصطلحات أهل الأثر'' لابی محمد عباس بن محمد الشافعیؒ المتوفی ۱۳۲۱ھ، اس کتاب کی تکمیل ۱۳۲۰ھ میں ہوئی۔ کتاب میں کل دس تقاریظ ہیں، ایک تقریظ کتاب کے صدر غلاف پر ثبت ہے، جب کہ بقیہ نو تقاریظ کے متعلق شیخ ابراہیم نور السیف فرماتے ہیں:

''وختم في آخره بتسعة تقاريظ لعلماء الحرم النبوي.''

(نخبۃ الفکر، دراسۃ عنہا ومنہجا: ۱۶۷، الناشر: الجامعۃ الاسلامیۃ المدینۃ المنورۃ)

۲:-''رسالة كشف الدُّجىٰ عن وجه الربا'' مؤلفہ: علامہ ظفر احمد عثمانیؒ، یہ رسالہ ''إعلاء السنن كتاب البيوع'' کا حصہ بن چکا ہے، رسالہ میں مسئلہ سود سے متعلق ایک نایاب تحقیق مذکور ہے اور آخر میں حضرت عثمانیؒ نے تائید حاصل کرنے کے لیے علماء عرب وعجم کی تقریباً اکیس تقاریظ کو ذکر کیا ہے۔

(اعلاء السنن، خاتمۃ الکتاب، ج:۱۴، ص:۵۸۱-۶۰۹، ادارۃ القرآن)

ان مثالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تقریظ کو اولِ کتاب کے بجائے آخرِ کتاب میں بھی لگایا جاسکتا ہے۔

کثرتِ تقاریظ سے متعلق علمائے عرب وعجم کا طریقہ کار

کتاب کی ابتداء میں ایک کے بجائے لاتعداد تقاریظ سے متعلق علمائے عرب میں سے متقدمین کے ہاں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، بطور نمونہ چند ملاحظہ فرمائیں:

۱:-''فتح الباري'' للحافظ ابن حجرؒ المتوفی ۸۵۲ھ، جو کہ صحیح البخاری کی بے نظیر شرح ہے، اس کے متعلق علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں: ''سمعت كثيرا من شيوخنا يقولون: شرح كتاب البخاري دَين على الأمة'' (مقدمہ ابن خلدون: ۴۴۳) یعنی صحیح البخاری کی ایسی شرح جو کہ اس کے رجال اور فقہی دقائق کا صحیح حل پیش کر سکے، یہ بہر حال اُمتِ محمد یہ پر قرض ہے، لیکن اس قرض کی ادائیگی حافظ صاحبؒ کے ہاتھوں سرانجام پائی، چنانچہ حاجی خلیفہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''ولعل ذلك الدَين قُضي بشرح المحقق ابن حجرؒ.'' (کشف الظنون، ج:۲، ص:۶۴۰)

فتح الباری کی تکمیل کے بعد حافظ صاحبؒ نے جب کتاب کو علماء پر پیش کیا تو تقریباً چودہ علماء نے اس پر تقریظ لکھی، دو کے سوا باقی بارہ تقاریظ نثر کے بجائے نظم میں ڈھلی ہوئی تھیں۔

(ملاحظہ فرمائیں: فتح الباری، ج:۱۳، ص:۵۴۸-۵۶۳)

۲:-''السيرة المؤيدية في سيرة الملك المؤيد'' محمد بن ناہض الکردی الحلبیؒ المتوفی:۸۴۱ھ، اس کتاب پرتقریباً سات علماء نے تقاریظ لکھی ہیں۔

(تفصیل کے لیے دیکھیں: الذیل علی رفع الإصر، ص:۴۳۸-۴۴۰)

۳:-''الرد الوافر'' جس کا ماقبل میں تفصیلی تذکرہ آچکا ہے، چھ مشاہیر نے اس کی تقریظ لکھی ہے، جن میں حافظ ابن حجرؒ، علامہ بدرالدین عینیؒ، علامہ بلقینیؒ، علامہ قُفہنیؒ، علامہ بساطیؒ اور علامہ محبّ بن نصر اللہؒ جیسی نابغۂ روزگار علمی شخصیات شامل ہیں۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے: الرد الوافر علی من زعم ان من قال: إن ابن تیمیۃ شیخ الاسلام فہو کافر، ۱۵۷، ماقبلہ ومابعدہ: ۱۶۵)

البتہ متاخرین کے طرزِ عمل میں اس بابت تبدیلی کے حوالہ سے تفصیل درج ذیل ہے:

۱:-عصرِ حاضر میں علماءِ عرب کے ہاں تقریظ کے حوالہ سے اہتمام تقریباً مفقود ہوتا جارہا ہے، خصوصاً اس وقت عرب کے علمی طبقہ سے علوم الحدیث پر تحقیقات کرنے والے حضرات کی تحریرات میں تقریظ کی اصطلاح نظر نہیں آتی، البتہ کتاب اور صاحبِ کتاب کی علمی شان اور اہمیت کو اُجاگر کرنے کے لیے مقالہ جات کے مبادی میں مشرفین کے قیمتی مدحیہ تبصرے وافر مقدار میں ضرور نظر آتے ہیں، جو یقیناً اصطلاحِ تقریظ کے متبادل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲:-عصرِ حاضر میں علمائے عرب کا ایک طبقہ وہ بھی ہے جو تقریظ کو اہمیت دیتا ہے، لیکن تقریظ اور تقدیم میں فرق نہیں کرتا، چنانچہ ایسی بہت سی علمی تحقیقات اس وقت منصۂ شہود پر آچکی ہیں جس میں کلمات التقدیم یا التقدیم یا تقدیم فلان جیسے عنوانات ملتے ہیں، حالانکہ ان عنوانات سے مقصود کتاب یا صاحبِ کتاب کی ستائش ہوتی ہے، تو گویا کہ ان حضرات کے ہاں تقدیم اور تقریظ میں کوئی فرق نہیں۔

۳:-تیسرا طبقہ اُن حضرات کا ہے جو تقریظ وتقدیم میں فرق کا قائل ہے، اس کی بھی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ (بطور نظیر دیکھیے: ۱:-عمل أہل المدینۃ، دکتور احمد محمد نور سیف۔ ۲:-الحدیث والمحدثون، شیخ محمد محمد ابوزہرہ، وغیرہما)

۴:-عصرِ حاضر میں تقریظِ کتاب کا ایک جدید طریقہ مختلف علمی مجلّات میں کتاب پر ہونے والے مدحیہ تبصرے بھی ہیں، البتہ یہ طریقہ کار علماءِ عرب کے بجائے عجم میں کافی مقبول ہوتا جارہا ہے، تبصرہ کے حوالہ سے عنقریب تفصیل آرہی ہے۔

۵:-اسی طرح عصرِ حاضر میں بعض علمائے عرب کے ہاں کتاب سے متعلق بعض مختصر مدحیہ کلمات کو تقریظ اور تفصیلی کلمات کو تقدیم سے تعبیر کیا جاتا ہے، گویا کہ ان کے ہاں تقریظ اور تقدیم میں معمولی فرق ہے۔

تقریظ بصورتِ نظم اور نثر

کتاب سے متعلق ستائشی کلمات عموماً نثر پر مشتمل ہوتے ہیں، ماقبل میں ذکر کردہ کئی حوالہ جات اس کی مثالیں ہیں، البتہ متقدمین کے ہاں نظمیہ تقریظ کی مثالیں بھی کافی ملتی ہیں، اس حوالہ سے درج ذیل عبارات ملاحظہ فرمائیں:

ا:- ''نزهة النظر شرح نخبة الفكر'' للحافظ ابن حجرؒ المتوفی: ۸۵۲ھ، یہ کتاب اصولِ حدیث میں تقسیم کے طرز پر لکھی جانے والی بے نظیر کتاب ہے، شیخ سراج الدین عمر بن محمد بن علی الجعبریؒ نے حافظؒ کو مخاطب کرتے ہوئے چار اَبیات پر مشتمل تقریظی نظم لکھی، جس کا مطلع کچھ یوں ہے:

''أبدعت يا حبر في كل الفنون بما صنعت في العلم من بسط و مختصر.''

البتہ اس پر تذییل عصرِ حاضر میں استاذ خالد زیات نے کی ہے، چنانچہ ڈکتور نور الدین عتران اشعار کے متعلق فرماتے ہیں:

''الأبيات الأربعة للشيخ سراج الدين يخاطب الحافظ ابن حجرؒ و أكملها الأستاذ خالد الزيات حفظه الله.'' (مقدمۃ نزہۃ النظر، بتحقیق نور الدین عتر حفظہ اللہ)

۲:- فتح الباری کی تکمیل پر معاصرین کی تقریظات میں سے بارہ نظم میں تھیں، جیسا کہ ماقبل میں تفصیل سے آچکا۔

۳:- موجودہ دور میں عربی ادب کا ذوق رکھنے والے اہلِ علم کے ہاں بھی شعر کی صورت میں تقاریظ کا رُجحان پایا جاتا ہے، جن میں کراچی کے معروف عربی ادیب مولانا نارزین شاہ صاحب کا نام نمایاں ہے۔

تبصرہ

''تبصرہ کسی چیز کی توضیح، تفصیل اور تصریح پر بولا جاتا ہے اور اصطلاحاً کسی چیز کی تخلیق سے متعلق اپنے خیالات پیش کرنا تبصرہ کہلاتا ہے۔'' (فیروز اللغات: ۲۰۳)

واضح رہے کہ تبصرہ کرتے وقت کتاب کی خوبیوں کو اُجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے قابلِ نقد پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے، اختصاراً تبصرہ سے متعلق چند اہم گزارشات پیشِ خدمت ہیں:

ا:- تبصرہ نگاری تنقید اور تقریظ کی درمیانی صورت ہے، کیونکہ تنقید میں صرف معائب اور تقریظ میں صرف محاسن پیشِ نظر ہوتے ہیں، جبکہ تبصرہ دونوں سے مرکب ہوتا ہے۔

۲:-عصرِ حاضر میں تبصرہ نگاری ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کرچکی ہے، جو عموماً درج ذیل اُمور پر مشتمل ہوتی ہے:

۱:-مصنف کا تعارف۔۲:-موضوعِ کتاب کی اہمیت۔۳:-کتاب کے قابلِ تعریف پہلوؤں کا تذکرہ۔۴:-باعثِ نقص اور قابلِ توجہ اُمور پر تنقیدی کلام۔۵:-گاہ گاہ تبصرہ نگار کتاب کے موضوع سے متعلق دیگر کتب کے مقابلے میں اس کے علمی اور تحقیقی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالتا ہے اور موضوع سے متعلق جہاں جہاں تشنگی محسوس ہو اس کی توضیح بھی کردیتا ہے، لیکن بعض تبصرہ نگاروں کے ہاں یہ طریقہ نہیں پایا جاتا۔۶:-کتاب کے صفحات اور حجم کا تذکرہ۔۷:-سنِ طباعت، مقامِ طباعت، محقق یا تخریج کرنے والے کے نام کے ساتھ ساتھ عموماً کتاب کی قیمت بھی ذکر کی جاتی ہے۔۸:-اور آخر میں افادۂ عامہ یا خاصہ کا تذکرہ ہوتا ہے۔

مزید یہ کہ اگر تبصرہ کسی کی سوانح پر ہو تو اس میں ادبیت، عنوانات، ربطِ مضامین، سلاستِ کلام اور مبالغہ آرائی یا عدمِ مبالغہ آرائی، ساتھ ساتھ یہ کہ سوانح میں بنیاد سند ہے یا حوالہ ہے اور کیا سوانح نگار نے بے فائدہ واقعات کو ذکر کیا ہے یا نہیں اور مزید یہ کہ ترتیبِ کتاب کس درجہ کی ہے۔ یہ تمام اُمور بھی ملحوظ ہوتے ہیں۔

ان شرائط کی روشنی میں جو تبصرہ کیا جائے وہ تبصرہ کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوگا، لیکن اگر صرف کتاب کے محاسن اور خوبیوں کو ہی گنوایا جائے اور قابلِ توجہ اور باعثِ نقص اُمور کی طرف التفات نہ کیا جائے تو اس صورت میں یہ اشتہار تو ہوسکتا ہے، تبصرہ کا اطلاق اس پر درست نہیں۔

کتابوں پر کیے گئے تبصروں کے بہترین مجموعہ جات

۱:-کتابوں پر تبصرہ کے حوالے سے سب سے پہلے جو مجموعہ مرتب کیا گیا، وہ ''الفهرست'' نامی کتاب ہے، چنانچہ شیخ محمد شرف الدین اس حوالہ سے لکھتے ہیں:

> **''إن أول كتاب حسب ما نعلم يبحث عن كتب الأمم الموجود منها بلغة العرب إلى عصر مولفه (مؤلف كشف الظنون) وهو سنة سبع وسبعين و ثلاث مائة للهجرة، فهرست أبي الفرج محمد بن إسحاق المعروف بابن النديم.''**

(مقدمہ کشف الظنون، ج:۱،ص:۵)

یعنی ۳۷۷ ہجری تک لکھی جانے والی کتب پر تبصرہ کے حوالے سے سب سے قدیم ترین کتاب **''الفهرست لابن النديم''** ہے۔

۲:-تبصرہ برکتب کے حوالہ سے سب سے طویل اور اچھی کتاب ''**كشف الظنون عن أسامي الكتب و الفنون**'' ہے، مصنف کا نام مصطفیٰ آفندی المعروف بہ حاجی خلیفہ وکاتب چلپی (۱۰۶۷ھ) ہے۔ مذکورہ کتاب میں تقریباً پندرہ ہزار کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے، اثناء تعارف کتابوں پر بیش بہا تبصرے بھی ملتے ہیں، کتاب کی اہمیت کے پیشِ نظر اب تک تقریباً اس کے آٹھ ذیول لکھے جاچکے ہیں، جن میں الف: ''**التذكار الجامع للآثار**'' للعلامۃ حسین النبہانی (۱۰۹۶ھ) ب: ''**إيضاح المكنون في الذيل علٰى كشف الظنون**'' للعلامۃ اسماعیل باشا (۱۳۳۹ھ)، ج: ''**السر المصون ذيل علٰى كشف الظنون**'' للشیخ جمیل بن مصطفیٰ بن محمد حافظ (۱۳۵۲ھ) قابلِ ذکر ہیں۔

۳:-''**معجم المطبوعات العربية و المعربة**'' للشیخ یوسف سرکیس نامی کتاب اصلاً مطبوعات کی ایک وقیع فہرست فراہم کرنے کے لیے مرتب کی گئی ہے، لیکن کئی مقامات پر تعارفِ کتب اور تبصرے بھی کیے گئے ہیں، یہ کتاب مطبع سرکیس مصر سے چھپ چکی ہے۔

ان کتابوں میں غور وخوض کرنے سے بآسانی تبصرہ نگاری کے پیچ وخم سے واقفیت حاصل کی جاسکتی ہے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....